© rasailojaraid.com

گردنوں پر غلامی کا جوا رکھ دیں۔

یوں، پورا نقشہ امکانات سامنے رکھ کر معاملات کو سوچیے۔

---

(۲)

"جو لوگ تحریکِ پاکستان میں علامہ اقبال کے خلاف سیاسی جنگ ہار گئے تھے، وہ قیامِ پاکستان کے بعد تعمیرِ پاکستان سے متعلق علامہ کے افکار کو دبانے اور انہیں شکست سے دوچار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔"

یہ الفاظ نہ کسی سیاسی اسٹیج سے نشر ہوئے اور نہ کسی اصطلاحی "صحافی" کا فنی کارنامہ ہیں، بلکہ ارشادِ عالیہ ہے ہمارے نہایت ہی محترم دوست اور علمی نضیلت رکھنے والے ایک صاحبِ قلم کا، جنہیں ڈاکٹر محمد یوسف گوریا کہا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: نوائے وقت ۱۸-۱۹ نومبر ۱۹۸۶ء) مضمون لکھا گیا ہے اجتہاد کے مسئلے پر اور اصل مبحث کے عقدے وا کرنے کا بھاری قرض تو ناخنِ تفکر پر ہے ہی ـــــ مثلاً علامہ کا مجتہدِ مطلق ہونا وغیرہ! ـــــ لیکن مسئلہ اجتہاد کے پیڑ سے بعض عجیب عجیب کونپلیں پھوٹی ہیں ـــــ ایک وہ ہے جسے اُوپر پیش کیا گیا ہے۔

ابوعمار زاہد الراشدی نے اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ قانون سازی اور اجتہاد کے حق کی علمی بحث کا قیامِ پاکستان کی مخالفت سے کیا تعلق ہے، کیونکہ یہ ایک فیشن بن گیا ہے کہ جب علماء کے خلاف اور کوئی بات کہنے کے لیے نہ رہ جائے تو قیام پاکستان کی مخالفت کے طعنے کی آڑ میں بھڑاس نکال لی جائے۔ لیکن اس سے قطع نظر ہم ڈاکٹر گوریا صاحب سے یہ ضرور پوچھنا چاہیں گے کہ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا عبدالحامد بدایونی، پیر صاحب مانکی شریف، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا سید سلیمان ندوی رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے ہزاروں رفقاء کو وہ کس زمرہ میں شمار کریں گے جنہوں نے نہ صرف تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا، بلکہ تحریک کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت سی کامیابیوں میں فیصلہ کن کردار ادا کیا، اور اگر بات اِسی رُخ پر کرنا ضروری ہے تو ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ قیامِ پاکستان کے بعد قرارداد پاکستان اور علماء کے ۲۲ نکات کی صورت میں تعمیرِ پاکستان کی فکری بنیادیں متعین کرنے والے یہی علماء تھے جنہوں نے قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں سرگرم حصہ لیا اور علامہ اقبال کی تحریک کو تکمیل تک پہنچایا، اِس لیے علامہ محمد اقبال کے افکار کی ترجمانی میں وہ دوسروں سے زیادہ مستند حیثیت رکھتے ہیں۔"

(نوائے وقت ۹ دسمبر ۱۹۸۶ء)

ہم ایک دوسرے پہلو سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

علم کی خود اپنی ایک دُنیا اور اپنی ایک سلطنت ہوتی ہے۔ اِس دُنیا کے نظام کا درست رہنا اور اس کی سلطنت کی صحیح کارفرمائی صرف اسی صورت میں قابلِ تصور ہے کہ تعصبات اس میں راہ نہ پائیں۔ یہاں تو آپ اپنی دلیل لائیے اور دوسرے کی دلیل طلب کر کے اس پر غور کیجیے۔ دوسرا جس چیز سے متاثر ہو وہ اسے قبول کر لے اور آپ جس چیز سے متاثر ہوں اسے آپ اخذ کر لیں۔

لیکن دلائل سے زیادہ اہم اگر یہ سوالات ہو جائیں کہ تمہارا سیاسی مسلک کیا ہے؟ یا تم ادب میں کن اقدار کو اہمیت دیتے ہو یا تمہارا تعلق کس نسل سے اور کس علاقے سے ہے؟ تمہاری مادری زبان کیا ہے؟ وغیرہ ــــ تو پھر علم کی سلطنت درہم برہم ہو جاتی ہے۔

علم کی سلطنت میں اہمیت ان لوگوں کو ہوتی ہے جو محنت کریں اور کام کریں۔ اقبال کے افکار پر جو لوگ بھی زیادہ اچھی طرح کاوش کر لیں گے، بات انہیں کی وزن پائے گی۔ وہ کچھ کہیں گے تو سُنا جائے گا۔ اور وہ کچھ لکھیں گے تو پڑھا جائے گا۔ یہاں کسی کا حق شفعہ نہیں چلتا۔

حیرت ہے کہ ڈاکٹر گورایہ صاحب نے کس طرح یہ عجیب سا نقطہ اُٹھا دیا۔ براہ کرم اس مصرعہ پر نظر کریں:

"مُلکِ معنی کس حد او را نہ بست" (اقبال)

مُلکِ معنی یا سلطنتِ علم کا حال بھی ہمارے ہاں ایسا ابتر ہے کہ کچھ نہ پوچھیں۔ بیماریٔ تعصب کسی ایک صورت میں ہو یا کسی دوسری وجہ سے، وہ اس درجہ پھیلی ہے کہ ہر گروہ نے بھی اور ہر آدمی نے بھی اپنے خیالات اور نظریات کا کھیت الگ کر رکھا ہے اور اس پر بجلی کی باڑ لگا رکھی ہے۔ باہر کی کوئی چیز اندر نہیں آ سکتی۔ علمی بحثوں کی سطح ہو (جس کا دائرہ ہمارے ہاں بڑا محدود ہے) یا تقریری اور صحافیانہ مرتبۂ اظہار،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشکل ہی سے کوئی مثال ایسی ملتی ہے کہ کسی شخص نے اپنے ارشادات پر کوئی تنقید پڑھ کر کہا ہو کہ ہاں اب مجھے اپنے طرزِ فکر کی ایک خامی کا احساس ہوا ہے یا مجھے ایک نئی حقیقت سے آگاہی ہوئی ہے --- کوئی فاضلِ دوراں ہو یا طفلِ مکتب --- میدان میں آئیں گے تو دونوں کا زعم یہی ہوگا کہ مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔ خصوصیت کے ساتھ مناظرہ باز واعظوں کے طرز پر اب اخبارات نے یہ پختہ انداز اختیا اختیار کر لیا ہے کہ ہر ایک اپنے نظریات و مقاصد کے مطابق چیزوں کو اچھالتا ہے۔ اپنے پسندیدہ گروہوں کو کھل کر جگہ دیتا ہے اور اپنے کالم نویسوں کا جھنڈا خوب اونچا کرتا ہے اور ان کا کوئی جواب دے تو اول تو اسے شائع نہ کیا جائے گا، کیا جائے گا تو دیر کی جائے گی، پھر جب جگہ دی بھی جائے گی تو کتربیونت کا خود ایجاد کردہ لامحدود حق استعمال کیا جائے گا۔ بعض اوقات بے تکی سرخیوں سے مضمون کا پہلا اثر قاری کے لیے بدل دیا جائے گا۔ بعض اوقات اصل بات مسخ کر دی جائے گی۔ خبر کے چہرے کا مُثلہ کر دیا جائے گا اور بیان کا حصہ بدل دیا جائے گا۔ زیادہ اہمیت کی چیز کو غیر اہم اور غیر اہم بات کو اہم بنا کر پیش کرنا، لوگوں کے ذہنوں کو کسی بھی تجویز کردہ رُخ پر ڈال دینا، عوام کے ادنیٰ جذبات کو اُکسا کر فائدہ اُٹھانا یہ ایسی باتیں ہیں جو اب لازمۂ صحافت بن گئی ہیں اور صحافت کا اثر روزانہ کی خوراکیں دینے کی وجہ سے نئی نسلوں پر بڑا گہرا ہوتا ہے۔

لبرل ازم کے نعرے لگانے والے تک اتنے لبرل نہیں ہیں کہ وہ اپنی کسی رائے کو دوسروں کے بہتر دلائل کے زیرِ اثر چھوڑ دیں یا دوسروں کے کسی خیال کو کھلے دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے قبول کریں۔ "جمہوریت" کے بے شمار دیوانے مستانے ملیں گے، مگر گفتگو اور بحث و استدلال کے ذریعہ ایسے انداز پر تبادلۂ خیال کرنے سے عاری ہوں گے کہ دو طرفہ اچھے خیالات اور اچھی آرا کا لین دین ہو سکے۔ جس معاشرے میں علمی اور فکری دائرے میں ایسا تعصب پایا جاتا ہو، اس میں اگر برادریوں اور علاقوں اور فرقوں کے نام پر تصادم ہوتے ہوں اور لوگ بات بات پر تشدد کے ہتھیار لے کے اٹھ کھڑے ہوتے ہوں تو تعجب کیوں؟

پہلے علمی و فکری دائرے میں ضروری رواداری سیکھیے، پھر معاشرے میں وحدت بھی بڑھے گی اور جمہوریت کا عمل بھی صحیح طریق سے جاری ہو سکے گا۔

اگر کسی شخص سے اقبال پر بات چھیڑتے ہوئے روک کر پوچھا جائے کہ مشہور رسم انکات کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے [illegible] کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ یا کیا تمہارے آبا و اجداد میں سے کسی نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انقلاب ۱۸۵۷ء میں کسی انگریز عورت اور اس کے بچوں کو طوفانِ قتل و غارت سے بچایا تھا؟ یا کیا تم نے تقسیم کے وقت ہندوستان میں رہ جانے کا فیصلہ کیا تھا؟ یا تم مولانا آزاد کی تحریریں تو نہیں پڑھتے رہے ہو؟ وغیرہ —— اور پھر ان سوالات پر جب آپ کے حسبِ مراد جواب نہ ملے تو آپ فرمائیں کہ بس آپ کو علم کی سلطنت میں داخلے کا ویزا نہیں مل سکتا۔ اور یہ ویزا نہ ملے تو آپ اسلام کے کسی اُصول کی توضیح نہیں کر سکتے، تاریخِ ملت کے کسی باب یا کسی شخصیت کے متعلق رائے نہیں دے سکتے۔ پاکستان کی صلاح و فلاح اور سالمیت و استحکام کو موضوع نہیں بنا سکتے، قائداعظم کے متعلق کوئی تحریر و تقریر نہیں کر سکتے۔ اور علامہ اقبال کے کلام کے بارے میں نہ اپنے تاثرات بتا سکتے ہیں اور نہ اُن کے پیغام کا تعین کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر نکلسن اور ڈاکٹر اینی میری شمل کے لیے مباح ہے کہ وہ اقبال کے متعلق جو چاہیں کہیں۔ مالک رام اور جگن ناتھ آزاد کو چھوٹ ہے کہ وہ اقبالؒ کو فکر و فن کے دونوں پہلوؤں سے جانچیں۔ کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کو حق ہے کہ وہ اقبال کے پیکرِ معنی کو توڑتے موڑتے رہیں۔ کیا ایسے تمام لوگ تحریک پاکستان کے جانباز تھے؟

کل آپ کہیں گے کہ جو شخص تحریکِ پاکستان کا علمبردار نہیں تھا، وہ سرے سے کسی علمی و ادبی کام کا استحقاق نہیں رکھتا۔ وہ کسی دینی اور قومی اور تہذیبی موضوع پر رائے نہیں دے سکتا، وہ کوئی تقریر نہیں کر سکتا، کوئی کتاب نہیں شائع کرا سکتا، بلکہ یہ کہ اور بڑھے تو جو تحریکِ پاکستان کا ساتھ نہ دے سکا ہو اُسے نہ ملکی تحفظ اور دفاع میں کوئی خدمت بجا لانے کی اجازت دی جائے، نہ تعلیم و تعلم کے دائرے میں کوئی کام کرنے دیا جائے۔ نہ سائنس اور زراعت و صنعت کے لیے دماغ اور جسم کے قویٰ کو استعمال کرنے دیا جائے، نہ کسی مصیبت زدہ کی مدد کرنے کا موقع دیا جائے، بلکہ ہو سکے تو اُسے زندہ رہنے کا حق ہی نہ دیا جائے۔

کسی ایک وقت میں کسی ایک معاملے میں اختلاف ہو جانے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اب بعد کے تمام مرحلوں کے لیے ہر طرح کے اتحاد و اتفاق کا دروازہ بند ہو گیا۔ "سیاسی اختلاف" اتنا بڑا جُرم نہیں کہ اسے وجہِ تکفیر بنا کر انسان کی انسانیت اور مسلمان کے ایمان اور کسی صاحبِ دل کی قوتِ فہم و تفہیم سے انکار کر دیا جائے۔ ورنہ اگر تاریخ کے تمام سیاسی اختلافات مختلف گروہوں اور ان کی نسلوں کے خون میں حل شدہ سمجھے جائیں تو آج کوئی فرد بھی، نہ اسلام کے ساتھ، نہ پاکستان کے ساتھ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ علم، نہ ادب اور فلسفہ کے ساتھ کوئی تعلق رکھنے کا حق دار رہ جاتا ہے۔

سوال یہ ہے ـــــ اور اسے ہم پورے زور سے پیش کرنا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں نے تحریکِ پاکستان کی عوامی رَو کا تو ساتھ دیا مگر اس کے نتیجے میں جب اقتدار یا کوئی دوسری امانت اُن کی تحویل میں آئی تو انھوں نے اسے اس طرح استعمال کیا جیسے پاکستان کا کوئی دشمن پاکستان کو تباہ کرنے یا کمزور کرنے کے لیے استعمال کرے ـــــ اور جنھوں نے اسلام کے اُصولوں اور قدروں کو پامال کیا اور جنھوں نے اقبال کی خودی، اقبال کے مردِ مومن کے تصور اور اس کی مطلوبہ صفات میں سے ایک ایک کی خلاف ورزی ہی نہیں، غارت گری کی، کیا ایسے لوگ اقبال کو سمجھنے، پرکھنے اور اس کے مدعا کو واضح کرنے اور اس کے مجوزہ نظام کو نافذ العمل کر دکھانے کے لیے مستحق ہو سکتے ہیں؟

پھر ذرا پاکستان بننے کے بعد ان کے بدلتے ہوئے سیاسی رویے، ان کی جنگِ اقتدار، ان کی پارٹیاں بدلنے کے حادثات، اُن کے نت نئے پیرایوں میں جلوہ گر ہونے کے تجربات وغیرہ۔ احوال تفصیل سے زیرِ غور لا کر ارشاد فرمایئے کہ کتنے لوگ ان وباؤں سے بچ نکلے؟ اور جو لوگ سیاستِ دوں نہاد کی ہڑک سے متاثر ہو گئے، کیا ان کو اب بھی آپ محبِ پاکستان اور محسنِ پاکستان ہی سمجھتے رہیں گے؟ اگر نہیں تو بتایئے کہ پھر اقبال کی تشریح و توضیح اور اسلام کی صحیح تعبیر کرنے والی قوت کون سی رہ جائے گی؟

قابلِ تحقیق مسئلہ تو یہ ہے کہ کیا اقبال کا مقصود صرف سرزمینِ پاکستان کا علیحدہ وجود تھا یا ان کے سامنے اصل نصب العین احیائے اسلام کا تھا؟ آج کل بعض لوگ جو پاکستان کو بہت زیادہ "اپنا" قرار دے رہے ہیں۔ وہ اقبال کو "سیکولر اسلام" کا ایک پیکر بنا کر سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ اور ہر ایسی آواز کو بند کرنا چاہتے ہیں جو اقبال کو ان کے بنائے ہوئے "سیکولر اسلام" کے پنجرے سے نکالے۔

مگر بے شمار باضمیر لوگ ایسے ہیں جو اقبال کا یہ حالِ زار نہیں دیکھ سکتے۔

© rasailojaraid.com